جمعۃ المبارک 05 فروری 2021ء | 22 جمادی الثانی 1442 ہجری قمری | جلد:3 | شمارہ:31

ارشاد باری تعالیٰ

وَمَآ أَمۡوَالُكُمۡ وَلَآ أَوۡلَادُكُمۡ بِالَّتِيۡ تُقَرِّبُكُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰٓى إِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَهُمۡ فِي الۡغُرُفَاتِ اٰمِنُوۡنَ۔

(سورۃ سباء: 38)

ترجمہ۔ اور تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایسی چیزیں نہیں جو تمہیں ہمارے نزدیک مرتبۂ قرب تک لے آئیں سوائے اس کے جو ایمان لایا اور نیک اعمال بجالایا پس یہی وہ لوگ ہیں جن کو اُن کے اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے، دُہری جزا دی جائے گی اور وہ بالاخانوں میں امن کے ساتھ رہنے والے ہیں۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سات سال کی عمر سے بچوں کو نماز کا پابند

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَآءُ عَشْرٍ وَّفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ

(سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب متی یومر الغلام بالصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو پھر دس سال کی عمر تک انہیں اس پر سختی سے کاربند کرو نیز ان کے بستر الگ الگ بچھاؤ۔

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

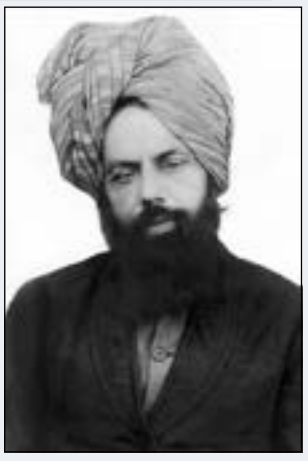

اولاد کو خدا تعالیٰ کے فرماں بردار بنانے کی سعی اور فکر کریں

’’پھر ایک اور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے، مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وُہ اولاد کی تربیّت اور ان کو عُمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں، نہ کبھی اُن کے لیے دُعا کرتے ہیں اور نہ مراتبِ تربیّت کو مدِّنظر رکھتے ہیں۔

میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دُعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتداء میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں، تو ان کو تنبیہہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے ہیں.....

.....لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں، مگر نہ اس لیے کہ وہ خادمِ دین ہو بلکہ اس لیے کہ دنیا میں ان کا کوئی وارث ہو اور جب اولاد ہوتی ہے تو اس کی تربیّت کا فکر نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو دُرست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہوسکتا جو اقرب تعلّقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اور نیکیوں کی اُمید اس سے کیا ہوسکتی ہے؟۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا (الفرقان:75) یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچّوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب ہی میسّر آسکتی ہے کہ وُہ فسق وفجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عِبادُالرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شَے پر مقدّم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متّقی ہو تو ان کا امام ہی ہوگا۔ اس سے گویا متّقی ہونے کی بھی دُعا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 562 تا 563 ایڈیشن 1988ء)

بیوی بچوں کے لئے دعا کی تاکید

’’اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں یہ دُعا سکھائی ہے کہ اَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ (الاحقاف: 16)

میرے بیوی بچوں کی بھی اصلاح فرما۔ اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دُعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دُعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔‘‘

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 456 تا 457 ایڈیشن 1988ء)

فرمان خلیفہ وقت

پاکیزہ اولاد کا حصول دعا سے ممکن ہے

حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

ایک جگہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ دعا سکھائی اور وہ دعا یہ ہے کہ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (آل عمران :39) اے میرے رب مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ ذریّت، اولاد عطا کر۔ یقیناً تُو بہت دعائیں سننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود یہ دعا سکھائی کہ مَیں دعائیں سننے والا ہوں۔ اس لئے تم بھی کہو کہ اے اللہ تُو دعا سننے والا ہے۔ اس لئے ہماری دعائیں قبول کر اور ہمیں پاک اولاد بخش۔

پس جب پاکیزہ اولاد کی خواہش ہو تو اس کے لئے دعا بھی ہونی چاہئے لیکن ساتھ ہی ماں باپ کو بھی ان پاکیزہ خیالات کا اور نیک اعمال کا حامل ہونا چاہئے جو نیکوں اور انبیاء کی صفت ہیں۔ ہر ماں اور باپ کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ مائیں دینی امور کی طرف توجہ دینے والی ہوتی ہیں، عبادات کرنے والی ہوتی ہیں تو مرد نہیں ہوتے۔ بعض جگہ مرد ہیں تو عورتیں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہیں۔ اولاد کے نیک ہونے اور زمانے کے بد اثرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اولاد کی خواہش اور اولاد کی پیدائش سے بھی پہلے مرد عورت دونوں نیکیوں پر عمل کرنے والے ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے واقعات میں ایک واقعہ ملتا ہے جس میں اولاد ہونے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک شخص کے لئے دعا ہے۔ لیکن اس دعا کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مشروط کر دیا اور مشروط کیا اس شخص کے اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے سے۔ وہ شخص ابھی احمدی بھی نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں نہیں آیا تھا لیکن شاید اس کی کوئی نیکی تھی جس کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے

بقیہ صفحہ 5 پر

اس شمارہ میں

دربار خلافت
اے کاش میسّر ہو دیدار خلافت کا! (منظوم)
دبستانِ حیات
میرے پیارے ابوجان

دربارِ خلافت

حضرت غلام رسول صاحب رضی اللہ عنہ چانگریاں، حضرت رحمت اللہ صاحب احمدی پنشنر، حضرت مولوی فتح علی صاحب احمدی منشی فاضل دوالمیال

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

حضرت غلام رسول صاحب رضی اللہ عنہ چانگریاں تحصیل پسرور، ڈاکخانہ پھلورہ ضلع سیالکوٹ لکھتے ہیں کہ

’’خاکسار خدا کے فضل و کرم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ میں داخل ہے۔ میں نے 1901ء میں یا 1902ء میں بیعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ پر کی تھی۔ اُس وقت حضور کی خدمت میں ایک ہفتہ رہا۔ اور ہم آپ کو جب آپ مسجد میں عموماً مغرب کی نماز کے بعد بیٹھتے تھے دباتے تھے۔یعنی ٹانگیں وغیرہ دبایا کرتے تھے۔ اور آپ ہم کو منع نہیں کرتے تھے۔ اور آپ کا چہرہ مبارک ایسا تھا کہ وہ شبہات جو مولوی ڈالتے تھے آپ کا چہرہ دیکھنے سے دور ہوجاتے تھے۔ چنانچہ مَیں نے سنا ہوا تھا کہ مہدی معہود کا چہرہ ستارے کی طرح چمکتا ہوگا اور مَیں نے ایسا ہی پایا۔ اور میرے سارے اعتراضات آپ کے چہرہ دیکھتے ہی حل ہوگئے۔ اور جب آپ پر کرم دین نے دعویٰ کیا تھا اور مجسٹریٹ چند ولال کی عدالت میں دعویٰ تھا اور بہت شور تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ضرور جیل میں جائیں گے اور حضرت مسیح موعودؑ فرماتے تھے کہ لوگ یہ افواہ اٹھا رہے ہیں کہ میں جیل میں جاؤں گا۔ ہمارا خدا کہتا ہے تمہیں ایسی فتح دوں گا جیسے صحابہ کو جنگ بدر میں دی تھی اور وہ الفاظ آپ کے اب تک کانوں میں گونجتے ہیں‘‘۔

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 3 صفحہ 111 روایت حضرت غلام رسول صاحبؓ۔ غیر مطبوعہ)

حضرت رحمت اللہ صاحب احمدی پنشنر۔سنگرور ریاست جیند لکھتے ہیں کہ ’’میرا نام رحمت اللہ خلف مولوی محمد امیر شاہ قریشی سکنہ موضع بیرمی ضلع لدھیانہ ہے۔ کہتے ہیں خدا نے اپنے فضل و رحم سے مجھے چن لیا۔ اور غلامی حضور سے سرفراز فرمایا ورنہ من آنم کہ من دانم۔تفصیل اس کی یہ ہے: حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے چند ماہ لدھیانہ میں قیام فرمایا۔ میری عمر اس وقت قریباً سترہ اٹھارہ برس کی ہوگی۔ اور طالب علمی کا زمانہ تھا۔ میں حضور کی خدمتِ اقدس میں گاہے بگاہے حاضر ہوتا۔ مجھے وہ نور جو حضور کے چہرہ مبارک پر ٹپک رہا تھا نظر آیا۔جس کے سبب سے میرا قلب مجھے مجبور کرتا کہ یہ جھوٹوں کا منہ نہیں ہے۔ مگر گردونواح کے مولوی لوگ مجھے شک میں ڈالتے۔ اسی اثناء میں حضور کا مباحثہ مولوی محمد حسین بٹالوی سے لدھیانہ میں ہوا جس میں مَیں شامل تھا۔ اس کے بعد خدا نے میری ہدایت کے لئے ازالہ اوہام کے ہر دو حصے بھیجے۔ وہ سراسر نور و ہدایت سے لبریز تھا۔ خدا جانتا ہے کہ میں اکثر اوقات تمام رات نہیں سویا۔ اگر کتاب پر سر رکھ کر غنودگی ہوگئی تو ہوگئی ورنہ کتاب پڑھتا رہا اور روتا رہا کہ خدا یہ کیا معاملہ ہے۔مولوی لوگ کیوں قرآن شریف کو چھوڑتے ہیں؟ خدا جانتا ہے کہ میرے دل میں شعلۂ عشق بڑھتا گیا۔ میں نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو لکھا کہ حضرت مرزا صاحب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تیس آیات سے ثابت کرتے ہیں۔ آپ براہِ مہربانی حیات کے متعلق جو آیات و احادیث ہیں تحریر فرماویں۔ اور ساتھ جو تیس آیاتِ قرآنی جو حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں تردید فرما کر

بقیہ صفحہ 8 پر

اے کاش میسّر ہو دیدار خلافت کا!

اے کاش میسّر ہو دیدار خلافت کا!
جی بھر کے کبھی دیکھوں دربار خلافت کا!
صد رنگ ہیں پھول اس میں چشمے ہیں گھنا سایہ
جنت کے مشابہ ہے گلزار خلافت کا
گرداب میں گھِر جائے حق والوں کی جب کشتی
کرتا ہے خدا بیڑہ خود پار خلافت کا
اُس آنکھ پہ کھلتے ہیں اسرار خداوندی
وہ آنکھ جو کرتی ہے دیدار خلافت کا
ابلیس کا پڑھ قصہ عبرت کی نگاہوں سے!
لعنت ہی سراسر ہے انکار خلافت کا
مسرور کا ہالہ ہے آفاق کو اب گھیرے
اس چاند میں تاباں ہے وہ یار خلافت کا
مل جائیں گی سب خبریں اس عرش معلیٰ کی!
پڑھ چشم بصیرت سے اخبار خلافت کا
خورشید کے پرتو سے ہے چاند کی تابانی
اللہ کا پرتو ہے اظہار خلافت کا
صد رنگ سدا اس پر انوار برستے ہیں
ہے جلوہ گہٗ یزداں مینار خلافت کا
دربانی پہ نازاں ہیں لاریب فرشتے بھی
آ دیکھ ذرا تو بھی دربار خلافت کا!
فطرت کے تقاضوں کو اب وہ بھی سمجھتے ہیں
دم بھرنے لگے سارے اغیار خلافت کا
دنیا میں کہاں طاقت تعمیرِ خلافت کی
اسلامؔ خدا خود ہے معمار خلافت کا!

(عبد السلام اسلام)

آج کی دعا

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۸﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۹﴾

(سورۃ المؤمنون :98۔99)

ترجمہ:اور تُو کہہ کہ اے میرے ربّ! مَیں شیطانوں کے وَسوَسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔اور (اس بات سے) میں تیری پناہ مانگتا ہوں اے میرے ربّ! کہ وہ میرے قریب پھٹکیں۔

یہ شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لئے قرآنِ کریم میں مذکور جامع دعا ہے۔

حضرت عمرو بن سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ ہمیں سوتے وقت پڑھنے کے لئے کچھ دعائیں سکھاتے تھے۔ان میں یہ دعا (مندرجہ بالا) بھی شامل تھی۔ (للسیوطی)

ہمارے پیارے آقا سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس دعا کی تحریک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے لے کر اب تک ہمیشہ شیطانوں نے وسوسے ڈالنے کی کوشش کی ہے۔مسلم امت میں جن لوگوں کے پاس منبر تھا، جو لوگ بظاہر نام نہاد دین کے علمبردار سمجھے جاتے تھے ان لوگوں نے امت کو ورغلانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے اس قسم کے وسوسے ڈال کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف نفرتوں کی دیواریں کھڑی کی ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے وسوسوں سے جو شیطانوں کا رول ادا کر رہے ہیں ہمیشہ پناہ مانگنی چاہئے۔‘‘(خطباتِ مسرور جلد 4 صفحہ 519۔520)

(مرسلہ:مریم رحمٰن)

منور احمد خورشید ۔واقفِ زندگی

دبستانِ حیات

قسط دوم

مکرم منور احمد خورشید صاحب۔واقفِ زندگی 1975ء میں جامعہ احمدیہ ربوہ سے فارغ التحصیل ہوئے اور پاکستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ گیمبیا، سینیگال اور برطانیہ میں خدمت کی توفیق پاتے رہے ہیں۔آپ کا ایک مضمون ’’مادرِ علمی جامعہ احمدیہ ربوہ‘‘ کے عنوان سے روزنامہ الفضل آن لائن کی 20/نومبر 2020ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے ۔اسی تسلسل میں آپ نے دیگر حالات و واقعات بھی تحریر کئے ہیں جو قارئین کے استفادہ کے لئے پیش ہیں۔

میرا بچپن جہاں گزرا۔میرا گاؤں فتح پور

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَان۔وطن سے محبت جزو ایمان ہے۔اسی لئے دینِ فطرت نے وطن کی حرمت و ناموس کی خاطر جان دینے کو شہادت کا درجہ دیا ہے۔ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ کو معاندینِ اسلام کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے پر ارشادِ ربّانی کے مطابق مکّہ سے مدینہ ہجرت کرنی پڑی۔جب آپ مکّہ شہر سے روانہ ہونے لگے تو مکّہ کی طرف رخِ انور کر کے فرمایا۔’’اے مکّہ! ہم تم سے محبت کرتے ہیں‘‘۔آپ ﷺ ہمیشہ اپنے آبائی شہر مکۃ المکرمہ کے لئے دعا گو رہے۔اسی رشتۂ محبت اور ذکرِ خیر کی خاطر میں نے اپنے مادرِ وطن کے متعلق کچھ لکھنے کے لئے قلم اٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

تعارف فتح پور

میرے گاؤں کا نام فتح پور ہے۔جو ضلع گجرات پنجاب پاکستان کی ایک خوبصورت بستی ہے۔اس عاجز کو دنیا کے تین برّاعظموں کے تقریباً تیس سے زائد ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ہر جگہ کو مخصوص خوبصورتی،افادیت ،شہرت اور تقدّس سے نواز رکھا ہے۔لیکن انسانی فطرت میں یہ چیز ودیعت ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کے بارے میں سوچتا ہے،پھر کچھ اور،ایسے ہی مجھے جو پیار،محبت اور نسبت فتح پور سے ہے۔کوئی مقام اس کا متبادل نہیں بن سکتا۔کیونکہ ہر انسان کا اپنے مولد ومسکن سے انس ومحبت ایک فطری رشتہ ہے۔کہتے ہیں ہر انسان کی جنت اس کی اپنی ہی ماں کے قدموں میں ہوتی ہے۔

میں نے اسی گاؤں میں آنکھ کھولی،بچپن گزارا،ماں باپ ،بہن بھائی، گلیاں کوچے،اہل محلہ آج بھی دل و دماغ میں ایسے ہی زندہ ہیں جیسے کل کی بات ہو۔جب بھی میں آنکھیں بند کر کے چشمِ تصور میں فتح پور کا نقشہ سامنے لاتا ہوں۔محبت بھرا ماحول زندہ ہو جاتا ہے۔یہاں تک کہ مرحوم ماں باپ ،عزیز رشتہ داروں ،بہن بھائیوں اور ہمجولیوں کی باتیں بھی فضا میں سنائی دیتی ہیں۔

آیئے !! آپ کو فتح پور کی سیر کراتے ہیں۔فتح پور ضلع گجرات کا ایک معروف گاؤں ہے۔جو گجرات شہر سے سولہ کلو میٹر شمال میں ہے۔اس کے مشرق میں جلال پور جٹاں کا شہر ہے مغرب میں دولت نگر کا تاریخی قصبہ ہے۔شمال میں اعوان شریف ہے۔یہ وہی مقام ہے جہاں پر 1965 میں ہندوستان کی افواج نے بمباری کی۔بعد ازاں پاک و ہند جنگ کا آغاز ہوا تھا۔یہ مقام چھمب جوڑیاں کے قریب ہے۔اس بارڈر پر جنرل ملک اختر حسین کے زیر کمان جنگ لڑی گئی ۔جس میں انہیں تاریخی فتح حاصل ہوئی اور اس جنگ میں ہندوستان کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا۔کیونکہ اس وقت ساری قوم یک جان تھی۔

1965 کی جنگ میں ہم محاذ پر گولہ باری کی ہولناک آوازیں سنتے تھے۔بلکہ رات کی تاریکی میں تو گولہ باری سے پیدا ہونے والی آگ کے شعلے بھی نظر آتے تھے۔ہمارے گاؤں کے بہت سے نوجوانوں کو فوج میں جا کر مادرِ وطن کی حفاظت کا اعزاز حاصل ہے۔وطنِ عزیز کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے پانچ چھ جوانوں کو تو جام شہادت پینے کی سعادت بھی ملی ہے۔ فتح پور قدیم سے ہی علاقہ بھر میں ایک مرکزی مقام رکھتا ہے۔مضافات کے سب چھوٹے دیہات اپنے آپ کو فتح پور کے نام سے ہی منسوب کرتے ہیں۔

ڈلی (برساتی ندی)

فتح پور کی شرقی جانب ایک بہت ہی خوبصورت ندی بہتی تھی۔جس میں صاف شفاف ،آئینہ کی طرح چمکدار پانی سال بھر بہتا رہتا تھا۔اس زمانہ میں پورے گاؤں میں چند ایک کنویں تھے جن میں سے لوگ بنیادی ضروریات ،نہانے دھونے اور پینے کے لئے پانی حاصل کیا کرتے تھے۔باقی ندی کا سدا بہار بہتا پانی سب افراد کی بہت سی متفرق ضروریات پوری کر دیتا تھا۔کہتے ہیں یہ ندی کہیں دور کشمیر میں چشموں سے نکلتی تھی۔جو ہم سب کے لئے ایک بہت بڑی رحمت خداوندی تھی۔جس کے ساتھ ہمارے بچپن کی بہت ساری انمٹ یادیں وابستہ ہیں۔سنا ہے اب تو اس کا نام ونشان بھی مٹ چکا ہے۔کیونکہ شاید لوگوں کے رویّوں سے دل برداشتہ ہو کر اس کا بہاؤ بند ہو گیا ہے۔

کچی سڑک

ہمارے گاؤں کے شمال میں ایک کچی سڑک ہے جو راولپنڈی اور سیالکوٹ کو ملاتی تھی۔اس کے دونوں اطراف شیشم کے بلند و بالا درخت ہوتے تھے۔یہاں لوگ اکثر وبیشتر پیدل ہی سفر کیا کرتے تھے۔سال میں ایک دو بار افواجِ پاکستان اپنی سالانہ مشقوں کے سلسلہ میں ادھر سے گزرتیں۔ہم لوگ بڑے اشتیاق سے فوجی گاڑیوں اور بھاری بھر کم ٹینکوں کو دیکھا کرتے تھے۔یہ سڑک ایک اہم راہ گزر ہونے کے علاوہ ہمارے لئے ایک پارک کا درجہ رکھتی تھی۔بچے یہاں کھیل کر اپنا شوق پورا کر لیتے۔کوئی وہاں سے تھوڑا ایندھن لے آتا۔تازہ مسواکیں ہر آن میسر ہوتیں۔ہمارے اساتذہ کرام تو طلبہ کی گوشمالی اور انہیں قابل بنانے کے لئے ان شیشم کے درختوں سے صحت مند مولیٰ بخش (ڈنڈا) لے آتے تھے۔

فتح پور علم کے میدان میں

جب میں نے آنکھ کھولی۔اس دور میں فتح پور میں لڑکوں کا ایک مڈل سکول تھا۔جو گاؤں کے شمال میں تھا۔بچیوں کے لئے گاؤں کے جنوبی محلّہ میں ایک پرائمری سکول ہوا کرتا تھا۔فتح پور کے مضافات سے تقریباً دس دیہاتوں کے بچے تحصیلِ علم کی خاطر فتح پور میں ہی آیا کرتے تھے۔جب مَیں کلاس ہشتم کا طالب علم تھا اس وقت میری کلاس میں تقریباً پندرہ سولہ طالب علم تھے۔آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس دور میں آٹھویں کلاس تک تعلیم حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔سکول ہمارے گھر سے تقریباً نصف میل کی مسافت پر تھا۔عمارت پختہ تھی۔کلاس رومز کے سامنے ایک برآمدہ تھا جس کی دیواروں پر بڑی خوش خطی سے جلّی حروف میں اشعار تحریر تھے۔ایک شعر آج تک مجھے یاد ہے۔

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں
ہمیشہ ہی نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

سادہ ،پُروقار ،محنتی اور مخلص اساتذہ کرام،اہل خِرد نے استاذ کو باپ کا درجہ بخشا ہے۔کیونکہ یہ استاذ ہی ہے۔جو بچے کی فکری اور عملی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے اس کو شرفِ انسانیت سے متعارف کراتا ہے۔اس لئے اپنے اساتذہ کرام کا ذکرِ خیر اور ان کے لئے نیک تمنائیں شاملِ حیات رہنی چاہیں۔انہی ہستیوں کا ہماری شخصیات کو کسی اعلیٰ مقام پر پہنچنے اور ہماری پسِ پردہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں بڑا عمل دخل ہے۔

اس دور میں چونکہ ماحول میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کا قحط الرّجال تھا۔اس لئے ان مدارس میں اساتذہ کی تعلیم بظاہر بہت ہی بنیادی ہوا کرتی تھی۔آپ کو اس بات سے اندازہ ہو جائے گا۔کہ ہمارے سکول میں ایک استاذ مکرم سیّد کرم شاہ صاحب ہوتے تھے۔جو آٹھ جماعتیں پاس تھے اور آٹھویں جماعت کو ہی پڑھایا کرتے تھے۔لیکن ایک بات ہے کہ وہ اساتذہ کرام اپنے کام میں بہت زیادہ مخلص ہوتے تھے۔سکول میں آٹھ کلاسز تھیں اور آٹھ ہی اساتذہ تھے۔مکرم چوہدری حاکم علی صاحب آف شیر گڑھ اس ادارہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔جو غالباً بی اے بی ایڈ تھے۔ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔

مجھے یاد ہے۔جب میں کلاس ہفتم میں تھا۔ہمارے ایک استاذ مکرم محمد خان صاحب جو فتح پور کے ایک مضافاتی گاؤں کریم داد سے آیا کرتے تھے۔ان کی ایک ٹانگ کمزور تھی۔جس کی وجہ سے لنگڑا کر چلتے تھے۔یہ موصوف اپنے گاؤں سے سائیکل پر سوار ہو کر سکول آتے تھے۔سردی ہو یا گرمی ہمیشہ ہی قبل از وقت سکول آجاتے۔رستہ میں انہیں ڈلی (برساتی ندی) عبور کرنی پڑتی۔جو ایک معذور آدمی کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔الغرض سب اساتذہ اس قدر اخلاص اور فرض شناسی سے طلبہ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی سعی مسلسل کرتے کہ آج بھی میرے دل و دماغ میں ان شفیق اور مخلص اساتذہ کے نقوش رقم ہیں۔

امتحان کلاس ہشتم۔ورنیکلر فائنل

جب میں آٹھویں کلاس میں تھا۔اس دور میں آٹھویں کلاس کا امتحان ورنیکلر فائنل کا امتحان کہلاتا تھا۔ہمارے علاقہ کے جملہ مدارس کا سنٹر دولت نگر نامی قصبہ تھا۔تمام قریبی مدارس کے طلبہ وہاں امتحان کے لئے آتے تھے۔اور ان ایام میں ان سب طلبہ اور اساتذہ کا قیام دولت نگر ہائی سکول کی عمارت میں ہی ہوتا تھا۔سب طلبہ کلاس رومز میں ٹاٹ پر سوتے

تھے۔ یہ قیام غالباً دس روز کے قریب ہوتا تھا۔ دولت نگر ہمارے گاؤں سے تقریبا پانچ میل کی مسافت پر تھا۔ اپنے استاذ مکرم محمد اکرم صاحب کی نگرانی میں ہم پیدل ہی دولت نگر گئے۔سب طلبہ نے غالباً دو دو روپے فی کس کے حساب سے ادائیگی کی تھی۔ ہم نے کھانے پینے کا سامان ایک گدھے پر لادا اور دولت نگر پہنچ گئے۔ ہمارے ساتھ ہمارے محلہ سے ایک رمضان نامی بزرگ تھے۔جن کا کام ہمارے لئے کھانا تیار کرنا تھا۔

اس دور میں یہ ہمارا پہلا طویل ترین سفر تھا۔ ہمارے گاؤں میں تو صرف چند ایک دکانیں تھیں لیکن دولت نگر میں باقاعدہ ایک بازار تھا۔ جو ہمارے لئے ایک بڑی بات تھی۔ ہماری زندگیوں میں یہ ایک نیا تجربہ تھا۔امتحان سے فارغ ہو کر واپس اپنے گاؤں لوٹے۔اس مختصر سے سفری تجربہ نے ہمیں یہ احساس بخش دیا کہ ہم بہت کچھ جانتے ہیں جس سے باقی لوگ نابلد ہیں۔ ہم لوگ کئی روز تک اہل خانہ اور اپنے دوستوں کو بڑے فخریہ انداز میں دولت نگر میں قیام کے دوران اپنے تجربات اور مشاہدات بتاتے رہے۔ ہمارے بزرگ ہماری سادگی پر بس مسکرا دیتے۔

میرے ایک پروفیسر دوست کی بچی سکول داخل ہوئی۔اس کی ٹیچر نے اسے بتایا کہ زمین گول ہے۔بچی نے گھر آ کر بڑے فخریہ انداز میں اپنے ابو جان سے کہا۔ پاپا پتہ ہے کہ زمین گول ہے۔ پروفیسر صاحب نے اثبات میں سر کو جنبش دی اور چند بنیادی باتیں نظام شمسی کے بارے میں بچی کو بتائیں۔جس پر بچی بڑی حیرانی سے بے ساختہ بولی۔ابو آپ کو یہ کیسے معلوم ہے۔ آپ کو یہ کس نے بتایا ہے۔ اسے ہی بچپن کہتے ہیں۔

اس ادارہ کے لئے یہ بات قابل صد فخر ہے کہ اس مادرِ علمی کی آغوش سے بہت سے قابلِ قدر جواہر پیدا ہوئے۔جنہیں مختلف صورتوں میں ملّی اور قومی خدماتِ جلیلہ کی سعادت ملی ۔جن میں ڈاکٹرز، پروفیسرز، ٹیچرز،دانشور،کاروباری شخصیات سیاست دان،وکلاء،اور پولیس اور فوج کے افسران بھی شامل ہیں۔

ادب واحترام ۔رشتوں کی پاسبانی

میرے بچپن کے دور میں ہمارے گاؤں کی تین اطراف میں بڑے بڑے تالاب ہوا کرتے تھے۔ جو اب لالچ اور ہوس پرستی کی نذر ہو چکے ہیں۔ان تالابوں میں برساتی پانی بھر جاتا تھا جو سال بھر جمع رہتا۔ لوگ اپنے مال مویشیوں کو وہاں سے پانی پلاتے ،نیز یہ آبی ذخیرہ بہت سی دیگر ضروریات کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ یہ تالاب اس دور کے سوئمنگ پول بھی ہوا کرتے تھے ۔کیونکہ یار لوگ یہاں تیراکی کا شوق بھی پورا کر لیا کرتے تھے۔ایک دفعہ چند مرغابیاں تلاشِ معاش میں اڑتی اڑتی ہمارے محلے کے تالاب میں اتر گئیں ۔اس دور میں ہمارے گاؤں میں چند ایک لوگوں کے پاس بندوقیں ہوتی تھی۔جن میں مکرم سید منظور حسین شاہ صاحب بھی شامل تھے۔شاہ صاحب کو تالاب میں مرغابیوں کی آمد کا علم ہوا۔انہیں بھی شکار کا شوق پیدا ہوا ۔وہ اپنی بندوق لے کر تالاب کی طرف چل پڑے۔انہیں دیکھ کر بے شمار لوگ تالاب کے قریب جمع ہو گئے۔ میں بھی ان تماش بین لوگوں میں شامل ہو گیا اور اتفاق سے جہاں پر شاہ صاحب مرغابی کی جانب بندوق تانے نشست لئے بیٹھے تھے۔ میں بھی ان کے قریب ہی کھڑا تھا۔ ہمارے گاؤں میں اس قسم کے شکار کا یہ پہلا موقع تھا اور پہلی بار ہی لوگوں نے بندوق کو اپنے اتنے قریب سے چلتے دیکھا تھا۔اس لئے لوگوں میں کافی جوش وخروش نظر آ رہا تھا۔شاہ صاحب اچھے نشانہ باز تھے۔ پھر بھی احتیاط برتنی لازمی تھی۔جب شاہ صاحب بندوق چلانے کے لئے بالکل تیار ہو گئے۔ اتفاق سے عین اسی وقت ہمارے محلّے کی ایک خاتون جس کا نام اللہ رکھی تھا۔وہ اپنی زمینوں کی طرف سے آ رہی تھی۔ اس نے بھی یہ سارا ماجرا دیکھا۔ وہ جب شاہ صاحب کے قریب پہنچی ۔اس نے زور سے کہا ۔ لوگو اگر ایک بے چارہ معصوم سا پرندہ تمہارے گاؤں میں آ ہی گیا ہے تو کیوں سارا گاؤں اس کو مارنے کے لئے اکٹھا ہو گیا ہے ۔ جیسے ہی منظور شاہ صاحب کے کانوں میں اس خاتون کی یہ آواز پہنچی۔اس بزرگ خاتون کی درخواست یا خواہش کے احترام میں اسی وقت انہوں نے بندوق اٹھائی اور اپنی راہ ہو لئے۔

پیار محبت اور امن کا گہوارہ

بنی نوع انسان میں فکری ،علمی،معاشی اور مذھبی اختلاف تو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ ابنائے آدم ہابیل اور قابیل کے قصہ سے ہم سب آشنا ہیں۔ انسانی فطرت میں یہ جو فکری اختلاف ہے۔ اس کے غلط اور بے جا استعمال سے اختلافات پھر لڑائی جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ ہمارے دور میں بھی لڑائی جھگڑے ہوتے تھے۔ اکثر تو صرف زبانی کلامی اور گالی گلوچ تک ہی ہوتے ۔ کبھی کبھار ہاتھا پائی تک بھی نوبت آجاتی تھی۔ چونکہ ڈانگ ،سوٹے کا دور تھا۔اس لئے بد نتائج محدود ہوتے تھے۔

مجھے یاد ہے۔ غالباً ۱۹۶۳ میں ہمارے گاؤں میں پہلی بار دو گروپوں کے مابین باقاعدہ آتشیں اسلحہ سے لڑائی ہوئی تھی۔جس میں کسی قریبی گاؤں کا ایک آدمی اکبر نامی قتل ہو گیا تھا۔اس واقعہ کے بعد کافی عرصہ تک فتح پور کی فضا میں خوف وہراس کے سائے لہراتے رہے۔ایک لمبا عرصہ تک اس لڑائی اور پھر خاص طور پر قتل کے واقعہ سے در و دیوار گونجتے رہے۔ ہمارے سکول کے بچے لکڑیوں کو رسیاں باندھ کر بندوقیں بنا لیتے اور پھر آپس میں لڑائی کرتے۔جس کے نتیجہ میں ہر بار وہی اکبر نامی آدمی قتل ہو جاتا تھا۔اب تو سنا ہے بہت سے بچوں کے پاس اصلی پستول بھی ہوتے ہیں۔جن سے وہ محض کھیلتے ہی نہیں بلکہ حقیقت میں قتل بھی کر دیتے ہیں۔

کیا زمانہ تھا۔سارا گاؤں ایک خاندان کی طرح جیتا تھا۔سب کی خوشیاں اور غم مشترکہ ہوتی تھیں ۔لوگ اکٹھے بیٹھتے، گھنٹوں باتیں کرتے۔ بچے اپنے دوستوں کے ساتھ کھلے میدان میں کھیلتے ۔بچیاں اپنی سکھی سہیلیوں کے ساتھ ہنستی، کھیلتی تھیں۔ ہر کوئی اپنے سے بڑے کو بھائی،چاچا ،ماموں کہتا۔ ہر بڑی عورت بہن،خالہ یا پھوپھی کہلاتی تھی ۔ مذہبی رواداری تھی ۔

عصر حاضر کا فتح پور

کہتے ہیں ۔ دنیا کی ترقی میں سب سے اہم اور بنیادی کردار پہیے کا ہے۔کیونکہ اگر پہیہ جام ہو جائے۔تو سارے کام دھرے کے دھرے رہ جائیں۔نقل وحمل نہ ہونے کے برابر ہو جائے۔ترقیات کی فلک بوس عمارت زمین بوس ہو جائے۔

فتح پور میں جب سے کھاریاں سے سیالکوٹ والی سڑک بنی ہے۔جس کی وجہ سے فتح پور چوک وجود میں آ گیا ہے۔ اس سے گاؤں کی اہمیت، شہرت اور افادیت فرش سے عرش پر پہنچ گئی ہے۔کہاں چند ٹانگے بھاگا کرتے تھے۔اب گاڑیوں کی ریل پیل ہو گئی ہے۔ کچی گلیاں پختہ ہو چکی ہیں۔ کچے مکان کوٹھے عالیشان عمارات کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ آب گھر میں میسر ہے اگرچہ «اب خوش آب» نہیں رہا۔ایک وہ دور تھا جب لوگ گاؤں سے گجرات تک پیدل ہی جایا کرتے تھے۔اب تو ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں جانے کے لئے بھی سواری میسر ہے اور اس کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا ہے۔فتح پور میں گوشت کی اکلوتی دوکان ہوا کرتی تھی۔جہاں ہفتہ میں غالباً دو دن ایک ایک جانور ذبح کیا جاتا تھا۔اس جانور کو ذبح کرنے سے پہلے باقاعدہ بناؤ سنوار کے بعد پورے گاؤں کا چکر لگوایا جاتا تھا۔ لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ایک ڈھولیا بھی ساتھ ہوتا تھا۔

فتح پور میں تین چار چھوٹی چھوٹی پرچون کی دوکانیں ہوتی تھیں۔اب سینکڑوں چھوٹی بڑی دوکانیں ہیں۔تعلیمی میدان میں بہت ترقی ہو چکی ہے۔بہت سے بچے اور بچیاں بی اے ،ایم اے تک تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔اب تو گجرات یونیورسٹی بھی ہمارے گاؤں سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر بن گئی ہے۔نئی تہذیب اور ترقی بام عروج پر پہنچ رہی ہے۔طبی سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں۔اب تو سرکاری اسپتال کے علاوہ پرائیویٹ طبی سہولیات کے مراکز آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔الغرض ہر نعمت اور سہولت جس کا تصور آپ کسی بڑے شہر میں کر سکتے ہیں۔ وہ آج آپ کو فتح پور میں میسر ہے۔

لمحہ فکریہ

ایک وہ دور تھا جب پانچوں وقت مؤذن کی دلفریب آواز فضا گونجتی تھی اور لوگ پیار محبت سے مسجدوں میں آتے جاتے تھے۔اب لاؤڈ سپیکر کی آوازیں گرجتی ہیں مسجدوں میں جانے والے بے چارے نمازی سہمے ہوئے اور خائف نظر آتے ہیں۔ مساجد کے دروازوں پر گن مین بندوقیں تانے مستعد کھڑے ہوتے ہیں۔ جو ہر آنے والے نمازی کو بنظرِ غور دیکھتے ہیں۔شاید یہ نمازی نہیں بلکہ کوئی حملہ آور ہے۔مساجد میں ذکر الٰہی اور تقدّس کے ماحول کی بجائے خوف وہراس کا ماحول ہے۔

لیکن ان سب نعمتوں کہ باوجود جیسا کے اللہ تعالی قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔’’جب جہنم دھکائی جائے گی اور جنت قریب لائی جائے گی‘‘۔ عجیب کیفیت ہے ۔کوئی ایسا ہی معاملہ نظر آتا ہے۔سب ظاہری نعمتوں کے میسّر ہونے کے باوجود سکون نہیں،امن،صلح جوئی،رواداری، تحمل بردباری اور شرم وحیا کی کمی ، رشتوں کا احترام ،چھوٹے بڑے کے فرائض اور حقوق کا فقدان عروج پر پہنچا ہوا ہے۔نشہ کی لعنت،چور بازاری، ڈاکے ،اغوا برائے تاوان اور قتل وغارت نے ہر شہری کو صلیب پر لٹکا رکھا ہے۔ گھروں میں تو بڑی بڑی پختہ اور اونچی دیواریں بن گئی ہیں۔جن کے ساتھ ساتھ دلوں میں بھی نفرت وتعصب کی بلند وبالا اور مستحکم فصیلیں کھڑی ہو گئی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اس نفسانفسی کے دور میں ہر شخص جو آپ کو خوش وخرم نظر آتا ہے۔اس کا سینہ کھول کر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اس کی مسکراہٹ مصنوعی ہے۔بظاہر سکون کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے لیکن اس کا دل ہر آگے پیچھے آنے والے سے خائف ہے۔

دردمندانہ التماس ہے :

ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریباں میں جھانکنا چاہیے۔حسد، کینہ، تعصب، لالچ، بغض اور اناء نفس سے بالا ہو کر اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ہم کیوں یہاں کھڑے ہیں۔ہم یہاں کیسے پہنچ گئے۔یہ ایک طویل کہانی ہے۔جسے سب جانتے ہیں۔

اظہارِ جرأت نہیں ہے۔یہ ایک درد ہے۔یہ ایک دردمندانہ ندا ہے۔یہ بات صرف فتح پور کی نہیں۔پورے وطن عزیز کی ہے۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں انسانیت کی نعمت سے نواز۔آمین

فتح پور میں شجرِ احمدیت

ہمارے ہمسائے میں ایک خدا رسیدہ ،عالم وفاضل اور ولی اللہ بزرگ رہتے تھے۔جن کا نام مکرم سید محمود احمد صاحب تھا۔اس دور میں ہمارے علاقہ میں ان کے علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کی بہت شہرت تھی۔ یہ بزرگ اپنے محلے کی مسجد کے امام الصلوٰۃ تھے۔اس کے علاوہ ان کے ہاں قرآن پاک کی درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری وساری رہتا تھا۔جس میں علاقہ بھر سے طلبہ کی ایک کثیر تعداد دینی تعلیم حاصل کرتی تھی۔

میرے دادا مکرم حضرت میاں عبدالکریم صاحب کی یہ خوش بختی تھی کہ یہ بزرگ شاہ صاحب کے ہمسائے میں ہی رہتے تھے۔آپ کو شاہ صاحب جیسے عالی مرتبت بزرگ کی نیک صحبت بچپن سے ہی نصیب ہوگئی تھی۔ پھر شاہ صاحب کی نیکی اور اخلاقِ فاضلہ سے متاثر ہو کر ان کے حلقۂ معتقدین میں شامل ہو گئے اور اکثر اوقات ان کی روحانی اور علمی مجالس میں جاکر بیٹھے رہتے۔

علامات ظہور مہدی

مکرم شاہ صاحب ایک پاک فطرت، نیک سیرت، صاحب رؤیا وکشوف اور عالم باعمل وجود تھے۔آپ اس زمانہ کے مسلمانوں کی افسوسناک عَملی اور عِلمی صورتِ حال سے خاصے دل برداشتہ تھے۔ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ کا ماحول دیکھ کر باقی خدا ترس مسلمانوں کی طرح احیاءِ اسلام کے لئے،اللہ کی طرف سے ایک ہادی اور مُصلِح کے انتظار میں تھے۔

ایک دن مکرّم شاہ صاحب نے آسمان پر کچھ مخصوص ستاروں کی حرکات وسکنات کی طرف دیکھ کر اپنے دوستوں سے فرمایا کہ یہ نشان ظہورِ مہدی کی علامات میں سے ہیں اور آخری زمانہ میں جس مہدی کی آمد کی خبر آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی تھی اب وہ امام مہدی ظاہر ہو چکے ہیں یا ظاہر ہونے والے ہیں۔

احمدیت سے ابتدائی تعارف

روایت ہے کہ ایک دن مکرم شاہ صاحب کسی کام کی غرض سے قریبی قصبہ جلال پور جٹاں گئے ہوئے تھے۔گرمی کا موسم تھا۔آپ بازار میں ایک ریسٹورنٹ میں تشریف لے گے اور ریسٹورنٹ کے مالک کو ایک گلاس لسّی کے لئے کہا۔جب آپ لسّی پینے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ بازار میں ایک آدمی کو بڑی بے رحمی سے زَدوکوب کر رہے ہیں۔ آپ فوراً ان لوگوں کے پاس گئے اور ان سے اس شخص کو اس طرح مارنے کا سبب دریافت کیا۔لوگوں نے اس شخص کے بارے میں برا بھلا کہتے ہوئے بتایا کہ ہم لوگ اس کو اس لئے مار رہے ہیں کہ یہ شخص ادھر کہتا پھرتا ہے۔کہ امام مہدی آ گیا ہے۔امام مہدی آ گیا ہے۔شاہ صاحب نے کہا۔آپ اس بے چارے کو کیوں مار رہے ہیں؟اگر مارنا ہے تو اسے جاکر ماریں جس نے دعویٰ کیا ہے۔اس پر آپ نے ان لوگوں سے اس بے چارے کی جان چھڑائی اور اس کو اپنے ساتھ ہوٹل میں لے آئے۔اس کو لسّی پیش کی اور پھر پوچھا کہ یہ امام مہدی والا کیا قصہ ہے؟یہ شخص احمدی تھا۔اس نے حسبِ علم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے بارے میں آپ کو بتایا۔مکرّم شاہ صاحب تو پہلے سے ہی اس نور کی تلاش میں سرگرداں تھے۔واپس گھر تشریف لائے اور اپنے چند مریدوں کو بغرض تحقیق قادیان بھجوادیا جو فتح پور ضلع گجرات سے پا پیادہ قادیان گئے۔قادیان پہنچ کر انہوں نے اپنی فکر اور سمجھ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات و واقعات کا مطالعہ ومشاہدہ کیا اور واپس آ کر شاہ صاحب کی خدمت میں پوری صورتِ حال بیان کر دی۔

شاہ صاحب کی قبول احمدیت

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مکرم شاہ صاحب خود قادیان کے لئے روانہ ہوئے اور جا کر حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی دست بوسی اور شرفِ بیعت حاصل کیا اور تین سو تیرہ خوش نصیبوں میں شامل ہو گئے۔ قادیان سے واپس آ کر مکرم شاہ صاحب نے اپنے دوست احباب کو بتایا کہ میں نے تو حضرت مرزا صاحبؑ کی بیعت کر لی ہے۔اب آپ لوگوں کی مرضی ہے کہ میرے پیچھے نماز ادا کریں یا نہ کریں۔اس پر گاؤں کے مولویوں نے آپ کی مخالفت شروع کر دی جس سے اکثر لوگ خائف ہوگئے اور انہوں نے حق کا ساتھ چھوڑ دیا۔مگر چند دوستوں نے اس صداقت پر شاہ صاحب کا ساتھ دیتے ہوئے اپنے احمدی ہونے کا اعلان بھی کر دیا۔

حضرت مسیح پاک کا سفر جہلم

یہ 1903ء کی بات ہے۔یہ خبر ملی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک معاند کرم دین کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم کی ایک عدالت میں تشریف لا رہے ہیں۔(جہلم شہر ہمارے گاؤں سے تقریباً 40 میل کی مسافت پر ہے) یہ خبر سنتے ہی بہت سارے لوگ جہلم پہنچ گئے تا کہ حضرت اقدس کی زیارت کر سکیں۔اس طرح بہت سارے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی عطا کردہ توفیق سے جہلم پہنچ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔جہلم شہر میں حضور پُرنور علیہ السلام کی زیارت کرنے والوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔اس کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پر صرف ایک دن میں 1200 بیعتیں ہوئی تھیں اور ان بیعت کرنے والے خوش نصیب لوگوں میں ہمارے گاؤں کے احباب بھی شامل تھے۔

فتح پور جماعت کو ضلع گجرات میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ ایک فعّال جماعت ہے۔ہمارے بزرگوں کی نسلیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں اور خدمت دین کی توفیق پا رہی ہیں۔الحمد للہ علی ذالک

اعلانِ احمدیت

بقیہ: فرمان خلیفہ وقت..... از صفحہ 1

لئے دعا کی۔یہ منشی عطا محمد صاحب پٹواری ہیں۔کہتے ہیں کہ میں غیر احمدی تھا۔دین سے دُور ہٹا ہوا تھا۔ان کے ایک دوست تھے وہ انہیں احمدیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے لیکن کہتے ہیں میں نے کبھی توجہ نہیں کی۔ایک دن انہوں نے مجھے بہت زیادہ اس بارے میں کہا اور میرے پیچھے پڑ گئے کہ میری باتیں سنو اور ان پہ غور کرو۔مَیں نے کہا اچھا اگر آپ یہی کہتے ہیں تو میں آپ کو ایک دعا کے لئے کہتا ہوں۔اگر وہ سنی گئی تو پھر میں غور کروں گا۔آپ کہتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں تو ان کو میرے لئے دعا کے لئے کہیں اور دعا اس بات کی ہے کہ میری تین بیویاں ہیں کسی کی اولاد نہیں ہے۔ایک کے بعد دوسری شادی مَیں نے کی تا کہ اولاد پیدا ہو۔یہ دعا کریں کہ مجھے بیٹا عطا ہو اور بیٹا بھی پہلی بیوی سے ہو۔کہتے ہیں یہ خط انہوں نے میری طرف سے لکھ دیا۔کچھ عرصہ کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ حضور نے دعا کی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا کی ہے اور فرمایا کہ آپ کو بیٹا عطا ہو گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ زکریا والی توبہ کریں۔منشی صاحب کہتے ہیں مَیں ان دنوں میں سخت بے دین تھا۔شرابی کبابی اور راشی ہوا کرتا تھا۔رشوت لینا میرا عام کام تھا۔مجھے کیا پتا ہونا تھا کہ زکریا والی توبہ کیا ہوتی ہے۔کہتے ہیں میں یہ پتا کرنے کے لئے کہ زکریا والی توبہ کیا ہے مسجد میں گیا تو مسجد کا امام مجھے مسجد میں دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ شرابی کبابی کہاں سے آ گیا۔لیکن بہرحال جب مَیں نے سوال کیا تو میرے سوال کا وہ جواب نہیں دے سکا۔ کہتے ہیں پھر مَیں مولوی فتح دین صاحب احمدی کے پاس دوسرے گاؤں میں گیا۔ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ زکریا والی توبہ بس یہ ہے کہ بے دینی چھوڑ دو۔حلال کھاؤ۔نماز روزے کے پابند ہو جاؤ اور مسجد میں زیادہ آیا کرو۔کہتے ہیں یہ سن کر مَیں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔شراب چھوڑ دی۔رشوت لینی بند کر دی۔نماز روزے کا پابند ہو گیا۔کہتے ہیں چار پانچ مہینے کا عرصہ گزرا ہو گا کہ ایک دن میری بڑی بیوی رونے لگی۔ خیر اس کو دائی سے چیک کروایا تو اس نے جو بات کی اور وہ اس طرف شک کا اظہار تھا کہ شاید اولاد ہونے والی ہے۔بہرحال اس کی بات سن کر میں نے اس سے کہا کہ میں نے مرزا صاحب سے دعا کروائی ہے۔یہ اولاد ہونے کی نشانی ہے۔شک والی کوئی بات نہیں۔کہتے ہیں کچھ عرصہ بعد حمل کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے تو مَیں نے لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ میرے بیٹا پیدا ہو گا اور صحتمند اور خوبصورت بھی ہو گا۔چنانچہ بیٹا پیدا ہوا۔ اور کہتے ہیں اس کے بعد میں نے بیعت کر لی اور اس علاقے کے بہت سے اَور لوگوں نے بھی بیعت کی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 جولائی 2017ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

عتیقہ عزیز باجوہ۔ جرمنی

میرے پیارے ابوجان

(اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ)

میرے پیارے ابوجان محترم عزیز احمد باجوہ صاحب (اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کو اپنی مغفرت کی چادر میں لپیٹ کر رکھے اور اپنا قرب عطا فرمائے۔آمین) 12 ستمبر 2020ء کو ہمیشہ کے لئے اس جہان فانی سے رخصت سفر باندھ گئے تھے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون

آپ کا آبائی تعلق کتھووالی گوجرہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ سے تھا۔آپ کے والد کا نام محترم امیر احمد باجوہ صاحب تھا۔آپ اپنے والد صاحب کی کل چھ اولاد (چار بھائی اور دو بہنوں) میں سے تیسرے نمبر پر تھے۔آپ کی تاریخ پیدائش 14 اپریل 1946ء ہے۔آپ کی شادی اپنی پھوپھوزاد محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ (بنت محترمہ خورشید بیگم صاحبہ اہلیہ محترم ثناء اللہ نمبردار آف کتھووالی پسرور ضلع سیالکوٹ) کے ساتھ ہوئی تھی جس سے خدا تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹے اور دو بیٹیوں سے نوازا۔

ابوجان اپنی زندگی میں وطن عزیز کی حفاظت پر مامور ایک نڈر اور سخت جان فوجی ہی نہ تھے بلکہ ایک مخلص، عبادت گذار، دعاگو اور داعی الی اللہ احمدی بھی تھے۔انہوں نے اپنی ملازمت کے دوران اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی عمر بھر اپنے قول اور فعل سے یہ ثابت کیا اور اس بات کی گواہی اپنے تو اپنے بیگانے بھی دیتے ہیں۔ ہمسائے اور اہل محلہ بھی آپ کی ان سب خوبیوں کے معترف تھے۔

آپ محنتی اور اوالعزم انسان تھے۔ بہت سی خوبیوں کے مالک میرے ابوجان کے فوج کے زمانہ کے ساتھی اور ریٹائرمنٹ کے بعد مختلف اسکولوں میں بطور پی ٹی ٹیچر ساتھ کام کرنے والے ساتھی سب ان کی نیک نامی، امانت، شرافت اور جرأت کے قائل تھے۔ آپ نے اپنی زندگی ہمیشہ ایک صلح جو، ہمدرد اور شریف النفس انسان کی حیثیت سے گزاری۔ہمیں بھی ہمیشہ یہی نصیحت کی کہ ہم احمدی ہیں اور ہماری تعلیم صبر ہے۔ ہمارا یہ کام ہونا چاہیے کہ کبھی برائی کا جواب برائی سے نہ دیں بلکہ ہمیشہ کسی کی برائی کے بدلے اس سے اچھائی کرنی ہے۔آپ کا اخلاق دیکھ کر اگلا خود ہی شرمندہ ہوجائے گا۔ اس ضمن میں اپنا اسکول کی ملازمت کے زمانہ کا ایک واقعہ بھی سنایا کرتے تھے کہ احمدی ہونے کی وجہ سے دوسرے ٹیچرز نے آپ کی مخالفت شروع کر دی اور میرے کھانے پینے کے برتن بھی نشان لگا کر الگ کر دیئے۔ بریک میں جب میں چائے پینے کے لئے کپ لینے لگا تو وہ ایک طرف الگ رکھا ہوا تھا۔ میں نے چپڑاسی سے پوچھا یہ کیوں کیا ہے؟ اس نے وجہ بتائی تو میں نے ہنس کر الزامی جواب کے رنگ میں کہا کہ یہ تو اچھا ہوا میں ان کے جھوٹے برتن استعمال کرنے سے بچ جاؤں گا۔

اپنا احمدی ہونا کبھی نہیں چھپایا بلکہ آپ ایک پرجوش داعی الی اللہ تھے۔ دوران ملازمت یا سفر، بیماری یا تندرستی میں کبھی بھی کوئی موقع ملتا تو حضرت مسیح الزمانؑ کی آمد کی خبر غیر کو ضرور پہنچا دیتے اور ہمیشہ کہتے تھے کہ ہمارا جو کام ہے وہ تو ہم کریں یعنی پیغام پہنچا کر اور نیک نمونہ دکھا کر۔

کیا احمدی اور کیا غیر احمدی سب متفق ہیں کہ آپ نے ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیا اور بلا تفریق مذہب غریب سے ہمدردی اور ضرورتمند کی مدد کی۔ انصاف دلانے کی کوشش کی۔ اپنے معاملات ہمیشہ صاف اور سیدھے رکھا کرتے تھے۔ ہر کام سلیقہ سے کرتے تھے۔ فوج میں ملازمت کے دوران بطور کوارٹر ماسٹر بھی کام کیا اور اس دوران بھی سب ساتھی آپ کی امانتداری اور بہتر منصوبہ بندی سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے تھے۔ اپنی تنظیم سازی اور ایمانداری نیز محنت کی وجہ سے ہر اہم موقع پر ایک اچھے منتظم کی حیثیت سے ہمیشہ اپنے آفیسرز اور جماعتی عہدیداران کی نظروں میں رہتے تھے اور ایک بہترین ممد و معاون اور مددگار ثابت ہوتے تھے۔

آپ نے جماعت احمدیہ گوجرہ شہر کی عاملہ میں ایک لمبا عرصہ مختلف عہدوں پر بطور سیکرٹری مال، سیکرٹری جائیداد، زعیم انصار اللہ اور نائب صدر و نائب امیر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔

آپ محنت کے کسی کام میں کبھی کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے۔ فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد روزگار کمانے کے لئے ایک عام دوکاندار کی حیثیت سے جوتیوں کی دکان ڈالنے میں بھی کوئی ہتک محسوس نہ کی۔ گھر کے ساتھ خالی پلاٹ میں مشغلہ کے طور پر سبزیاں اگائیں جو گھر میں بھی استعمال ہوتی تھیں اور ان سے کئی ضرورتمندوں کی مدد بھی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ گاؤں جاکر زراعتی امور میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ پیدل چلنا آپ کو پسند تھا اور سائیکل پر وزن اٹھا کر دور دراز تک کا سفر کرنا آپ کے لئے کوئی مشکل نہ تھا۔ آپ ایک باہمت شخصیت کے مالک تھے۔ جب کسی کام کی ٹھان لیتے تو اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ اپنی عمر کے آخری ایام میں بھی پیدل چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ باوجود اپنی بیماری کے کبھی پیدل اور کبھی سائیکل پر نماز فجر کی ادائیگی کے لئے مسجد ضرور جاتے۔ آپ پنجوقتہ نماز کے پابند اور باقاعدہ تہجد گذار تھے۔ گاؤں میں ہوتے یا شہر میں، گرمی ہوتی یا سردی، حالات کیسے بھی ہوتے ہمیشہ یہی کوشش ہوتی کہ دن کی تمام نمازیں مسجد میں جاکر ادا کریں۔ گاؤں میں مسجد کی طرف جاتے ہوئے جہاں جہاں سے گزرتے سب کو نماز کی دعوت دیتے جانا آپ کا شیوہ تھا۔ ہمیشہ کہتے تھے جو نماز نہیں پڑھتا وہ مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا۔ تلاوت قرآن کا بھی باقاعدہ التزام فرماتے تھے۔ ہر روز تہجد کے نوافل کے بعد باآواز بلند تلاوت قرآن کریم کرتے۔ رمضان کے روزے بھی باقاعدگی سے رکھتے تھے اور اس مہینہ میں کئی بار قرآن کریم کا دور ختم کرتے تھے۔

آپ صفائی پسند تھے۔ ہمیشہ صاف ستھرا رہتے۔ غسل اور مسواک باقاعدگی سے کرتے اور جسم کو مضبوط رکھنے کے لئے اکثر تیل کی مالش بھی کرتے تھے۔ گھر میں، گھر کے سامنے اور ارد گرد بھی صفائی رکھتے تھے۔ اپنی اسی عادت کی وجہ سے گاؤں کے قبرستان میں بھی اکثر وقار عمل کیا کرتے۔ جب بھی وہاں دعا کے لئے جاتے تو قبروں پر اور قبرستان کے احاطہ میں اگنے والی جڑی بوٹیوں کو تلف کرنے میں لگ جاتے اور گاؤں والوں خصوصاً اپنے عزیزوں کو قبرستان کی صفائی کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ آپ گوجرہ شہر کے پرانے باسیوں میں سے تھے اور آبائی گاؤں 312 ج ب کتھووالی بھی اس کے قریب تھا۔ اس وجہ سے ارد گرد کے تمام علاقہ اور خاندانوں کو بخوبی جانتے تھے۔

آپ فضول خرچ ہرگز نہ تھے۔ اپنی استطاعت کے مطابق ہمیشہ باقاعدہ چندوں کی بروقت ادائیگی کرتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی نصیحت کرتے تھے۔ صدقات اور دوسری مالی تحریکات میں بھی حصہ لیتے تھے۔ جھوٹ اور جھوٹے سے سخت نفرت تھی۔ کسی کی اگر کوئی بات بری لگتی یا کسی کے متعلق کچھ گمان کرتے تو اس کے متعلق جو بات دل میں ہوتی اس کو کہہ دیتے۔ کبھی کوئی بغض یا کینہ نہ رکھتے تھے۔

چھوٹوں کی تربیت کا بھی بہت خیال کرتے تھے۔ انہیں ان کی ہر غلط بات پر سمجھاتے۔ لڑائی کی صورت میں صلح کرواتے۔ انہیں ہمیشہ تعلیم حاصل کرنے اور نماز پڑھنے کی نصیحت کرتے۔ کسی طالبعلم کا اگر ان سے سامنا ہوجاتا تو اس کی پڑھائی کا پوچھتے اور آزمائشی سوالات بھی ڈالتے۔ امتحانی نتائج سے متعلق پوچھتے اور کامیابی کے نسخے بتاتے۔ آپ کا حساب بھی بہت اچھا تھا۔ بڑے بڑے سوال زبانی حل کر لیتے تھے۔ جن اسکولوں میں پڑھانے کا موقع ملا وہاں بچوں کو پی ٹی کروانے اور ڈسپلن سکھانے کے علاوہ ان کی خوشخطی کے لئے فکرمند ہوتے اور اکثر کو قلم خود بنا کر دیتے۔ سیاہی بنانے کا طریقہ بتاتے کہ کسی طرح وہ خوشخط لکھنے والے بن جائیں۔ ایک زمیندار گھرانے سے تعلق کی وجہ سے اگر کوئی زراعت پیشہ مل جاتا تو اس سے تمام معلومات لیتے اور بہتری کے لئے مفید مشورے بھی دیتے۔ اگر کوئی مزدور پیشہ ملتا تو اس کا بھی حوصلہ بڑھاتے اور حلال روزی کمانے کی نصیحت کے ساتھ نت نئے طریقے بھی بتاتے۔ اگر کوئی سرکاری ملازم یا جماعتی کارکن سامنے آجاتا تو اس سے اس کے کام کی نوعیت جانتے اور اپنی زندگی کے تجربات شیئر کرتے۔

آپ دل کے بہت نرم تھے۔ کسی کی بیماری یا تکلیف کا سن کر فوراً پریشان ہوجاتے۔ اس کی خبرگیری کرتے اور اس کے لئے دعا کرتے تھے۔ کوئی مالی پریشانی میں مبتلا ہوتا تو اس کے دکھ کو بھی محسوس کر کے رو دیتے اور ہمیشہ صبر اور دعا کی نصیحت کرتے تھے۔ ہمیشہ صلہ رحمی کا کام کرتے۔ اہل ثروت رشتہ داروں کو اپنے غریب بہن بھائیوں کی مدد کا ہمیشہ درس دیتے تھے۔ خود اپنے ہر رشتہ دار سے ایسی محبت رکھتے کہ ہر کوئی سمجھتا کہ یہ میرے ہی عزیز ہیں۔ آپ خوش لباس اور خوش خوراک تھے۔ طبیعت میں بہت سادگی تھی۔ آپ کی جوتی ہمیشہ چمکتی ہوئی پالش رہتی تھی۔

زندگی میں آپ پر کئی کٹھن ادوار آئے اور زمانے نے کئی جگہوں پر آزمایا۔ اس سے آپ کی ظاہری صحت پر تو اثر پڑا مگر وہ آپ کے دل کو کمزور نہ کر سکے۔ آپ کے ایک چھوٹے بھائی محترم مبارک احمد باجوہ صاحب کے اغوا ہو کر غائب ہونے اور پھر کچھ سال بعد شہادت کی خبر ملنے کے معاملہ پر جہاں سارے خاندان کو رنج اور دکھ ہوا وہاں آپ کو بھی اس صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ جب سے بھائی اغوا ہوا تھا بہت پریشان رہنے لگے تھے۔ دعاؤں کے ساتھ ان کی اولاد اور اہلیہ جو نسبتی ہمشیرہ بھی تھیں (خاکسار کی چھوٹی خالہ محترمہ شاہدہ بیگم صاحبہ)، کے لئے بہت فکرمند رہتے اور ان کی خبرگیری کرتے۔ نیز بھائی کی بھی خبر لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کسی کے کہنے پر تاوان کی رقم ادا کرنے کے لئے بھی بارڈر پار تک کا سفر کرنا پڑا مگر حالات کے ستائے ہوئے ابوجان کو بے خبر ہی لوٹنا پڑا تب بھی ہمت نہ ہاری۔ یہاں تک کہ 2014ء میں پہلی بار جب جلسہ سالانہ یوکے میں شمولیت کے لئے لندن آئے تو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں بغرض ملاقات حاضر ہوئے۔ دروازہ سے اندر داخل ہوتے ہی بھرے ہوئے لہجہ اور نم آنکھوں سے کہنے لگے کہ حضور! میں تو صرف اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اپنے گمشدہ بھائی کی خبر لگنے کے لئے دعا کی درخواست پیش کرسکوں۔ خدا کی شان کہ اس وقت حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زبان مبارک سے جو الفاظ تحریک بن کر نکلے تو لازماً فرشتے اسی وقت تائید میں لگ گئے ہونگے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ بیٹھیں تو سہی

باجوہ صاحب، ان کا بھی پتہ لگ جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

یہ واقعہ ہمارے تمام خاندان کے ازدیاد ایمان اور خلافت پر مزید یقین کامل کا باعث بنا۔

میرے ابو جان جب اس سفر سے واپس پاکستان پہنچے تو کچھ روز بعد پولیس والوں نے ان کو بلایا اور کہا کہ ضلع گجرات کی پولیس نے کچھ دہشت گرد، اغوا کار اور سہولت کار گرفتار کئے ہیں۔ تفتیش میں سامنے آیا ہے کہ آپ کے بھائی کو بھی ان لوگوں نے اغوا کیا تھا۔ یہ فوراً وہاں پہنچے اور گرفتار مجرموں میں سے ایک سہولت کار کو بھی پہچان گئے جو اسی گھر میں ایک نوکر کے طور پر پلا تھا جس نے ہمارے چچا کے اغوا ہونے کے بعد تیز دھار آلہ سے ان کا سر تن سے جدا کر کے نعش کے ٹکڑے کر کے نہر میں بہانے کی سفاک خبر سنا کر اعتراف جرم کر لیا۔ کئی سالوں سے لاپتہ آپ کے چھوٹے بھائی کی دنوں میں خبر لگ گئی۔ اس تمام عرصہ کے دوران آپ پر جو بیتی وہ تو اپنی جگہ مگر اس ظلم کی خبر سن کر ان پر کیا گزری ہو گی یہ وہ جانتے ہونگے یا ان کا خدا جانتا ہے۔ مگر پھر بھی آپ معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہوئے یہ بوجھ دل میں اٹھائے بڑے حوصلہ سے گھر لوٹے۔ اور پھر یہ پتہ چلا کہ پولیس نے ان مجرموں کو ایک پولیس مقابلہ میں کیفر کردار تک پہنچا دیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے از راہ شفقت ہمارے ان شہید چچا کا خطبہ جمعہ میں ذکر کرنے کے بعد نماز جنازہ غائب بھی پڑھائی۔ ایک شہید کی فیملی ہونے کے سبب اب ان کی اہلیہ اور ایک بیٹا کینیڈا شفٹ ہو چکے ہیں۔

ایسا وقت بھی آیا کہ خاندان پر جیسے مصیبتوں کا پہاڑ ہی ٹوٹ پڑا ہو مگر تب بھی میرے ابو جان اپنا پہاڑ جیسا سینہ لے کر اس دور کا مقابلہ کرتے رہے۔

ایک بھائی تو یوں جدا ہوا مگر خدا کو شاید ابھی کچھ اور بھی منظور تھا۔ بڑے بھائی محترم رشید احمد باجوہ صاحب جو کچھ عرصہ انتہائی علیل رہ کر فوت ہوئے۔ ان کا صدمہ بھی برداشت کیا۔ اور جس دن بڑے بھائی کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا ایک اور خبر بجلی بن کر ٹوٹ پڑی کہ آپ کے بڑے بھائی کے جنازہ کے دوران آپ کے چھوٹے بھائی محترم محمد احمد صاحب کو دل کا دورہ پڑا جو کہ جان لیوا ثابت ہوا۔

ایک ہی دن میں دو بھائیوں کے جنازے کسی بھی باہمت کی کمر توڑ دیتے ہیں مگر میرے ابو جان نے اس کو خدا کی رضا سمجھتے ہوئے نہایت صبر اور حوصلہ کا مظاہرہ کیا۔

بہر حال انسان تو انسان ہی ہے لہٰذا اندر ہی اندر یہ سب غم آپ کو کھائے جاتے تھے۔ ان کی صحت دن بدن بگڑنے لگی تھی اور اب وہ خود اعتمادی اور حوصلہ کی بنا پر اپنی بیماریوں کا مقابلہ کرنے لگے تھے۔ انہیں سال میں کئی مرتبہ طاہر ہارٹ ربوہ میں داخل ہونا پڑتا تھا۔ خون میں پلیٹ لیٹس کی کمی کے باعث ہمیشہ نیا خون لگوانا پڑتا۔ خون کا گروپ بھی نایاب تھا جو بڑی مشکل اور تگ و دو کے بعد ملتا۔ پھر وفات سے قبل ان کے گردوں کی بھی صفائی ہونا شروع ہو گئی تھی جو اپنی جگہ ایک تکلیف دہ امر تھا مگر میرے ابو جان نے ان تمام حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

سال 2020ء میں حالات ایسے تھے کہ عالمی وبائی مرض کرونا نے دنیا بھر کو بالکل جام کر کے رکھ دیا تھا۔ سوائے ٹیلی کمیونیکیشن کے آمد و رفت کے ذرائع بھی بند ہو کر رہ گئے تھے۔ ان دنوں ابو جان کی بیماری کا سن کر ہم اور بھی ڈرے ہوئے تھے کہ ایک تو ایسی وبا کی وجہ سے ہسپتال بھی بند ہیں۔ سوائے دعا کے دوا کا بھی کوئی چارہ نظر نہیں آتا تھا۔

ایسی بے بسی کی حالت میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے عرض کیا کہ ان کی بیماری میں اب ان کو ضرورت ہے کہ ہسپتال منتقل کیا جائے مگر حالات ایسے ہیں کہ ملکی لاک ڈاؤن کیوجہ سے کسی ہسپتال میں اس کی اجازت نہیں اور نہ کوئی ڈاکٹر میسر ہے۔

اس خط کے جواب میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دعا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ انہیں ربوہ لے جائیں۔ حضور کی دعا سے نہ صرف وہاں ان کو چیک کیا گیا بلکہ فوری طبی امداد کے لئے داخل بھی کر لیا گیا۔

پھر یہ کہ اپنے ابو جان تک کیسے پہنچیں۔ کیسے ان کی اس حالت میں خدمت کریں۔ مگر حضور کی دعائیں ساتھ تھیں اور کہتے ہیں ناں مارنے والے سے بچانے والا زیادہ بڑا ہے۔ مسلسل حضور انور کی خدمت اقدس میں بار بار دعا کا لکھ رہے تھے۔ ایک روز ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو ہمیں اطلاع ملی کہ اسوقت معاملہ زیادہ سنجیدہ ہے۔ دعاؤں کے ساتھ تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے پاکستان پہنچنے کے لئے کوشش کرنے لگے کہ ایسی حالت میں ہمارے والدین کو ہماری زیادہ ضرورت ہے۔ بے شک ان کی خدمت اور بیماری میں ان کا خیال رکھنے کے لئے ہمارا ایک چچا زاد اور خالہ زاد بھائی اپنے بیوی بچوں سمیت ہمیشہ مستعد رہتے تھے مگر ہم بھی اب اس سعادت سے محروم نہیں رہنا چاہتے تھے کہ شاید اب ہمارے ان کے پاس رہ کر خدمت کرنے سے ہمارے ابو جان کی ہمت بڑھے اور صحت سنبھل جائے۔ اللہ کا صد ہا شکر ہے کہ ایسی حالت میں ہم دونوں بہنیں ان کے پاس پہنچ گئیں۔ ہماری والدہ بھی ضعیف العمر ہیں اور وہ ابو جان کی بیماری سے پہلے ہی بیمار رہنے لگی تھیں۔ میرے ابو جان نے اپنی بیماری بھول کر ہمیشہ ان کی صحت کا خیال رکھا تھا۔ باوجود اپنی بیماری کے ان کی دوائی اور تیمارداری میں زیادہ مصروف رہتے تھے۔

ہمارے پاکستان پہنچنے کے بعد واقعی ان کی طبیعت سنبھلنا شروع ہو گئی۔ مگر اب انہیں کمزوری اتنی ہو چکی تھی کہ بستر پر ہلنا جلنا اور بغیر سہارے کے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا۔ مگر اس حالت میں بھی ابو جان کو ہماری والدہ کی فکر زیادہ لاحق رہتی۔ ان کے لئے دعا کرتے۔

ابو جان اپنی بیماری کے ایام میں بھی نماز، نوافل اور دعا نہیں بھولے تھے۔ ہم نے ہمیشہ دیکھا کہ صبح نوافل کے وقت اور نماز کے وقت عبادت میں مصروف ہو جاتے اور ہمیں دعائیں دیتے رہتے۔

ایک اور خوبی جو ان کی زندگی میں تو پتہ ہی تھی مگر وفات کے بعد بھی سامنے آئی کہ اپنے مالی معاملات ہمیشہ صاف رکھتے اور حساب کتاب پکا رکھتے تھے۔ وفات سے قبل انہوں نے اپنی وصیت اور متعلقہ چندے وغیرہ سب ادا کر دیئے ہوئے تھے۔ ان کی رسیدیں اور جو کوئی امانت تھی تو وہ علیحدہ لکھ کر الگ رکھی ہوئی تھیں۔ اپنی بیماری میں علاج کے لئے اور کسی بھی مشکل وقت کے آنے کی صورت میں استعمال کے لئے کچھ رقم اور ایک بلینک چیک لکھ کر رکھا ہوتا تھا کہ میری اولاد کو ایمرجنسی میں ضرورت پڑنے پر کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو۔

وفات سے قبل جب ہماری واپسی کا سوچتے تو غمگین ہو جاتے تھے۔ یہ غم ان کے چہرے اور آنکھوں سے نظر آجاتا تھا۔ مگر خدا ابھی اس پدرانہ محبت اور بیٹیوں کی خدمت کا باہمی تعلق اور جذبات دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایسی تدبیر کر دی کہ وبائی حالات کیوجہ سے ہماری واپسی کی فلائیٹ کینسل ہو گئی۔ طبعی طور پر کئی دنوں سے اپنے بچوں سے دوری کا سوچ کر ان کی بھی فکر ہوتی تھی۔ اس لئے وقتی طور پر اس کی کچھ پریشانی بھی ہوئی مگر تسلی بھی ہوئی کہ ہمیں کچھ روز مزید ابو جان کی خدمت کا موقع مل گیا ہے۔ مگر جدائی تو جدائی ہے، دونوں اطراف میں یہ ڈر تو ہر وقت لگا رہتا تھا کہ آخر کو تو جانا ہی ہے۔ ہمارا یہ سوچ سوچ کر دل ڈوب جاتا تھا کہ ایسی حالت میں کیسے ان کو چھوڑ کر جائیں۔

مگر ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ عارضی جدائی اب ایک مستقل جدائی میں بدلنے والی تھی اور خدا کی تقدیر غالب آنے والی تھی۔

جس روز ہماری واپسی کی فلائیٹ تھی اس سے ایک دن قبل طاہر ہارٹ ربوہ میں میرے ابو جان کے گردوں کی صفائی ہونا تھی۔ میری بڑی بہن ان کے ساتھ چلی گئی کہ اپنی نگرانی میں یہ سب کام مکمل کروا کر جانے سے پہلے ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب سے مل کر ساری معلومات بھی لے لیں۔ باپ بیٹیوں کے دل تو جدائی سے ڈرے ہی ہوئے تھے کہ کل جب واپسی کے سفر پر روانگی ہو گی تو کیسے ایک دوسرے کو الوداع کریں گے۔ دل اس لمحے کا سوچ کر بھی بند ہونے لگتا تھا۔

مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ خدا کی تقدیر کچھ اور کرنے جا رہی تھی۔ ہمارے ابو جان ہماری واپسی کے سفر سے پہلے ہی رخت سفر باندھنے والے تھے اور ایسے سفر پر روانہ ہونے جا رہے تھے کہ جس پر الوداع ہونے کے بعد کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ ہاں وہی سفر جو ہمیشگی کا سفر ہے۔

میرے موبائل فون پر آنے والی مس کالز اور پھر کال ملنے کے بعد قیامت خیز خبر نے ہلا کر رکھ دیا کہ میرے ابو میرے پیارے ابو جان اب اس دنیا میں نہیں رہے اور ہسپتال میں ہی ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ ہم سے پہلے ہمیں الوداع کہہ کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

فلائیٹ کینسل ہونے کی وجہ اب سمجھ میں آنے لگی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے آسمان ٹوٹ پڑا ہو، پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ ہمارے ہی جسموں سے جان نکل گئی ہو۔ مگر اب راضی برضائے الٰہی رہتے ہوئے ان کی تجہیز و تکفین اور جنازہ و تدفین کے انتظام میں لگ گئے کہ جیسے ان کی روح اپنے خالق حقیقی کے پاس چلی گئی ہے اب یہ امانت بھی اس خدا کے سپرد کر دی جائے۔ یہ تمام انتظامات ربوہ میں ہی ہماری خالہ جان محترمہ طاہرہ بیگم کے گھر انجام پائے۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ اعزّا و اقربا نیز اہل محلہ کو اس گھڑی میں ساتھ دینے کی بہترین جزا سے نوازے۔ آمین

ان کے پاس پہنچنے سے پہلے عالمی وبائی حالات کی وجہ سے ان کی بیماری کے ایام میں جو خوف تھا وہ تو تھا ہی، یہ پریشانی بھی تھی کہ سفر کی بھی ممانعت ہے اور کسی قسم کا میل جول بھی منع ہے۔ اس لئے ان کی لمبی عمر، صحت کے لئے دعا کرتے اور حضور انور کی خدمت میں بھی دعا کے لیے تحریر کرتے تھے۔ یہ پریشانی رہتی تھی کہ اگر ایسا موقع آیا تو کیا ہو گا کیسے ہو گا، کئی خوف کئی اندیشے لاحق تھے۔ مگر میرے ابو جان کی دعاؤں نے جہاں اپنی زندگی میں ہمارے گرد حفاظتی دائرہ بنائے رکھا، دنیا سے جاتے ہوئے بھی وہ حصار ہمارے گرد چھوڑ گئے تھے۔ محض خدا کی دی ہوئی توفیق اور حضرت خلیفۃ المسیح کی دعاؤں کے طفیل ہم نے ابو جان کی زندگی کے آخری ایام میں حسب استطاعت خدمت کر لی۔ پھر تینوں بھائی بہنوں نے ان کے جنازہ میں بھی شامل ہو کر اپنے ہاتھوں سے ان کی آخری رسومات ادا کیں۔

ایسے وبائی حالات اور گرمی کی شدت کے باوجود رشتہ دار اور احباب کی ایک کثیر تعداد ان کی بخشش کی دعا کے لئے جنازہ میں شامل ہوئی اور موصی ہونے کیوجہ سے ربوہ بہشتی مقبرہ میں ان کی تدفین ہوئی۔ اس کے بعد کئی روز تک تعزیت والوں کا تانتا بندھا رہا۔ تعزیتی پیغامات اور فون بھی آتے رہے۔ جو سب میرے ابو جان کی اعلیٰ اوصاف اور خوبیوں کا تذکرہ کرتے تھے اور یہی سلسلہ یہاں جرمنی آ کر بھی جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ ان سب تعزیت کرنیوالوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین

میرے ابو جان، میرے پیارے ابو جان تھے ہی اتنے پیارے۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ہمیشہ ان پر پیار کی نظر ڈالتا رہے اور روحانی درجات بلند کرتا چلا جائے۔ آمین ثم آمین

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION | Download on the App Store | Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

بقیہ: دربار خلافت..... از صفحہ 2

میرے پاس بھجوادیں۔ میں شائع کرادوں گا۔ جواب آیا کہ آپ عیسیٰ کی حیات ووممات کے متعلق حضرت مرزا صاحب یا اُس کے مریدوں سے بحث مت کرو۔ کیونکہ اکثر آیاتِ وفات ملتی ہیں۔ (قرآنِ کریم میں اگر دیکھنا ہے تو پھر وہاں تو وفات کی آیات ہی ملتی ہیں) یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اُن غیر احمدی مولوی صاحب نے لکھا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اس امر پر بحث کرو کہ مرزا صاحب کس طرح مسیح موعود ہیں؟ جواب میں عرض ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں تو حضرت مرزا صاحب صادق ہیں۔ جواب ملا کہ آپ پر مرزا صاحب کا اثر ہوگیا ہے۔ میں دعا کروں گا۔ جواب میں کہتے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ آپ اپنے لئے دعا کریں۔ آخر مَیں آستانۂ الوہیت پر گرا اور میرا قلب پانی ہو کر بہہ نکلا۔ گویا میں نے عرش کے پائے کو ہلادیا۔ عرض کی خدایا مجھے تیری خوشنودی درکار ہے۔ میں تیرے لئے ہر ایک عزت کو نثار کرنے کو تیار ہوں اور ہر ایک ذلت کو قبول کروں گا۔ تو مجھ پر رحم فرما۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مَیں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بوقت صبح قریباً چار بجے 25 دسمبر 1893ء بروز سوموار جناب سیدنا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ تفصیل اس خواب کی یہ ہے کہ خاکسار موضع بیرمی میں نماز عصر کا وضو کر رہا تھا کہ کسی نے مجھے آکر کہا کہ رسولِ عربی آئے ہوئے ہیں اور اسی ملک میں رہیں گے۔ میں نے کہا کہاں؟ اس نے کہا یہ خیمہ جات حضورؐ کے ہیں۔ میں جلد نماز ادا کر کے گیا۔ حضورؐ چند اصحاب میں تشریف فرما تھے۔ بعد سلام علیکم مجھے مصافحہ کا شرف بخشا گیا۔ میں بہ ادب بیٹھ گیا۔ حضورؐ عربی میں تقریر فرما رہے تھے۔ خاکسار اپنی طاقت کے موافق سمجھتا تھا۔ اور پھر اردو بولتے تھے۔ فرمایا میں صادق ہوں۔ میری تکذیب نہ کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ لکھتے ہیں کہ مَیں نے کہا آمَنَّا وَصَدَّقْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ۔ تمام گاؤں مسلمانوں کا تھا۔ مَیں حیران تھا کہ خدایا! یہ کیا ماجرا ہے؟ آج مسلمانوں کے قربان ہونے کا دن تھا۔ گویا حضورؐ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ گو مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ حضورؐ اسی ملک میں تشریف رکھیں گے مگر حضورؐ نے کوچ کا حکم دیا۔ مَیں نے رو کر عرض کی حضورؐ جاتے ہیں۔ مَیں کس طرح مل سکتا ہوں۔ میرے شانہ پر حضور نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ہم خود تم کو ملیں گے۔ کہتے ہیں اس کی تفہیم مجھے یہ ہوئی کہ حضرت مرزا صاحب رسولِ عربی ہیں۔ مجھے فعلی رنگ میں سمجھایا گیا۔ کہتے ہیں میں نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ مگر بتاریخ 27 دسمبر 1898ء قادیان حاضر ہو کر بعد نمازِ مغرب بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا اور خدا کے فضل نے مجھے وہ استقامت عطا فرمائی کہ کوئی مصائب مجھے تزلزل میں نہیں ڈال سکے۔ مگر یہ سب حضورؑ کی صحبت کے طفیل تھا جو بار بار حاصل ہوئی۔ اور ان ہاتھوں کو حضورؑ کی مٹھیاں بھرنے کا فخر ہے (یعنی کہ دبانے کا بھی فخر ہے)۔ گو مجھے اعلان ہونے پر رنگا رنگ کے مصائب پہنچے مگر خدا نے مجھے محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ اس نقصان سے بڑھ کر انعام عنایت کیا۔ اور میرے والد اور میرے بھائی اور قریبی رشتہ دار احمدی ہو گئے۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ (رجسٹر روایات صحابہ نمبر 3 صفحہ 58-59 روایت حضرت رحمت اللہ صاحبؓ۔ غیر مطبوعہ)

حضرت مولوی فتح علی صاحب احمدی منشی فاضل دوالمیال ضلع جہلم کہتے ہیں کہ مَیں نے 1904ء میں بمعہ بال بچہ آکر حضور مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضورؑ کی حیاتِ مقدس میں ہر سال بمعہ بال بچہ ہی حضورؑ کی خدمت اقدس میں یہاں پہونچتا رہا اور جب کبھی حضورؑ باہر نماز کے لئے تشریف لاتے اور مسجد میں بیٹھتے تو ہم دوالمیال کی جماعت جو پانچ سات کس تھے پاس بیٹھتے۔ اور حضورؑ کی زبان مقدس کے الفاظ سے فیض اٹھاتے اور چند دفعہ دعا کے لئے بھی عرض کی گئی تھی۔ اس وقت وہ چھوٹی سی مسجد جس میں پانچ چھ آدمی بصد مشکل کھڑے ہو سکتے تھے۔ پھر مسجد مبارک وسیع کی گئی۔ ایک دفعہ ہماری جماعت کے امام مسجد مولوی کرم داد صاحب نے عرض کی کہ حضور! ہماری مسجد میں قدیم سے ایک امام سید جعفر شاہ صاحب ہیں۔ وہ حضورؑ کے معتقد ہیں۔ وہ آپ کو مانتے ہیں لیکن غیروں کی بھی گاہ بگاہ جنازوں میں یا نمازوں میں اقتداء کرتے ہیں (مانتے تو ہیں لیکن غیروں کے پیچھے، مولویوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں)۔ تو میں نے عرض کی کہ وہ شخص یہاں تک معتقد ہے کہ ایک دفعہ مجھ سے اس نے خط لکھوایا اور یہ لفظ لکھوائے کہ میں حضورؑ کے کتوں کا بھی غلام ہوں۔ اگر کسی وقت جہالت یا نادانی سے کمی بیشی ہوگئی ہو تو حضور فی سبیل اللہ معاف فرمادیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب وہ اب تک دنیا کی لالچ یا خوف سے غیروں کے پیچھے نماز یا جنازہ پڑھتا ہے (جو تکفیر کرتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُن کے پیچھے نماز پڑھتا ہے) تو کب اس نے ہم کو مانا۔ آپ اس کے پیچھے نمازیں مت پڑھیں۔ درزی تھے، کہتے ہیں: مَیں نے اسی وقت حضرت امّ المومنین کے حکم سے اندر سے سلائی مشین منگوائی اور حضرت صاحبزادہ شریف احمدؓ کا جو اس وقت آٹھ دس سال کے ہوں گے گرم کوٹ تیار کر رہا تھا اور اس طرح انہوں نے تیار کیا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کھیوڑہ سے آیا کرتے تھے تو ہماری عورتوں نے کہا کہ دس گیارہ میل ہمیں پیدل پہاڑی سفر کرنا پڑتا ہے، اس لئے ہم بستر نہیں لا سکتے۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ حامد علی (حامد علی صاحب جو آپ کے خدمت گار تھے) دوالمیال والوں کو رضائیاں اور بستر دے دیا کرو۔

حضورؑ کی برداشت کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ کسی کو کوئی تکلیف ہوتی تھی تو ہم حضورؑ سے دوائیاں وغیرہ بھی منگو لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میرا لڑکا عبدالعزیز مرحوم جو سات آٹھ سال کا تھا جو میرے ساتھ بھی آتا رہا اور حضورؑ کی درثمین کے اشعار نہایت خوش الحانی، خوش آوازی سے پڑھتا تھا (خوش الحانی سے پڑھا کرتا تھا)۔ جلسوں میں بھی اور حضورؑ کے اندر بھی آکر سناتا تھا۔ حضورؑ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ دوالمیال والوں کی درخواستیں بھی یہی اندر میں حضور کو پہنچاتا تھا۔ ایک دفعہ محمد علی ولد نعمت نے ایک عرضی کسی خاص دعا کے لئے لکھ کر عبدالعزیز کو دی کہ حضورؑ کو دے آؤ اور گھر جانے کی اجازت لے آؤ۔ چونکہ ابھی سویرا ہی تھا اور حضورؑ نماز فجر کے بعد رضائی اوڑھ کر بمعہ بچوں کے لیٹے ہوئے تھے۔ یہ بھی بچہ تھا۔ اس قدر ادب اور احترام کو نہیں سمجھتا تھا کہ حضورؑ آرام کر رہے ہیں۔ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام بعض دفعہ، بلکہ اکثر نمازِ فجر کے بعد آرام کیا کرتے تھے) یہ بچہ اندر گیا اور فوراً حضورؑ کے چہرۂ مبارک سے رضائی اٹھالی اور وہ رُقعہ دیا اور ساتھ اجازت جانے کی بھی مانگی۔ لکھتے ہیں قربان ہوں میرے ماں باپ کہ ذرا بھی حضورؑ کے چہرہ مبارک پر ملال نہ آیا کہ ارے بیوقوف! ہم کو بے آرام کر دیا بلکہ پیار سے کہا کہ اچھا اجازت ہے۔ یہ تھے حضورؑ کے اخلاق فاضلہ جس نے تمام مخلوقات کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ (ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ نمبر 3 صفحہ 72-73 روایت حضرت مولوی فتح علی صاحبؓ۔ غیر مطبوعہ)

(خطبہ جمعہ 17/ دسمبر 2010ء)

طلوع وغروب آفتاب

05فروری2021ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	05:38	18:13
مدینہ منورہ	05:42	18:10
قادیان	05:56	18:06
ربوہ	05:36	17:46
اسلام آباد ٹلفورڈ	06:04	17:01